نہیں جانتے یہ کہ جاتے کدھر ہیں — گئے بھول رستہ وہ یا راہ پر ہیں

(مسدس حالی ص۷۶)

اب مولانا حالی منطقیوں کی ایک شاندار مثال بیان فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جس طرح بندروں نے کہیں سردی سے اکڑ کے جگنو کو ایک شرارہ سمجھ کر اس پر لکڑیاں لا دکر جلانے کی کوشش کی تھی تاکہ سردی سے بچ جائیں مگر اس میں ان کو کامیابی نہ ہوئی، بالآخر انھیں دن کو شرمندہ ہونا پڑا کہ وہ ایک جگنو کو پتنگا سمجھ بیٹھے تھے، بالکل اسی طرح منطقیوں کا حال ہے کہ وہ لایعنی اور فرضی چیزوں کو حقیقت سمجھے ہوئے ہیں، جب حقیقت کھلے گی تو انھیں اپنی محنتوں پر رنج اور افسوس کرنا ہوگا۔ یہ مثال خود مولانا کی زبان سے سنئے۔ فرماتے ہیں:

مثال ان کی اس کوشش کی ہے صاف ایسی — کہ کھائی کہیں بندروں نے جو سردی
اِدھر اور اُدھر دیر تک آگ ڈھونڈی — نظر روشنی ان کو آئی نہ اس کی
مگر ایک جگنو چمکتا جو دیکھا — پتنگا اسے آگ کا سب نے سمجھا
لیا جا کے تھام اور سب نے اسی دم — کیا گھاس پھونس اس پہ لا لا کے فراہم
لگے اس کو سلگانے سب مل کے پیہم — نہ کچھ آگ سُلگی نہ سردی ہوئی کم
یوں ہی رات ساری انھوں نے گنوائی — مگر اپنی محنت کی راحت نہ پائی
گذرتے تھے جو جانور اس طرف سے — جب اس کشمکش میں انھیں دیکھتے تھے
ملامت بہت سخت تھے ان کو کرتے — کہ شرمائیں وہ زعم باطل سے اپنے
مگر اپنی کد سے نہ باز آتے تھے وہ — ملامت پہ اور اُلٹے غرّاتے تھے وہ
نہ سمجھے وہ جب تک ہوا دن نہ روشن — اسی طرح جو ہیں حقیقت کے دشمن
نہ جھاڑیں گے گردِ توہّم سے دامن — پہ جب ہوگا نورِ سحر لمعہ افگن
بہت جلد ہو جائے گا آشکارا — کہ جگنو کو سمجھے تھے وہ اک شرارا

(مسدس حالی ص۷۷)

اکبر الہ آبادی کی رائے لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم معقولات کو قابل قدر نگاہ سے نہ دیکھتے تھے بلکہ اسے الحاد اور اسپ بے لگام سے تعبیر کرتے تھے، وہ اپنی کلیات میں جابجا اس پر تنقید فرماتے ہیں، وہ اپنے تیروں کا نشانہ کبھی منطق کو کبھی فلسفہ کو اور کبھی فلسفی کو بناتے ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا، وہ معقولات کو مناظرات مباحثات اور بکواس واغلوطات اور اپچ پیچ کا ڈھیر قرار دیتے تھے، چنانچہ فرماتے ہیں:

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں

وہ مسلم فلاسفہ کو خطاب کرکے کہتے تھے:

فلسفہ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جائیے

جو لوگ فلسفہ کی حمایت اور اس کی مدح سرائی میں بہت کچھ بول جاتے ہیں اور اس کو پاکیزہ فن بنانا چاہتے ہیں اکبر انھیں خطاب کرکے کہتے تھے:

دلیلیں فلسفہ کو نور باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

بلاشبہ معقولات اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن ہیں، اس میں گھس کر ایک بندۂ مومن اس کے قاتل شکنجوں سے بچ نہیں سکتا اس لئے اکبر ہر بندۂ مومن کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ صبح وشام حق تعالیٰ سے دعا کیا کرے کہ وہ اس کو اس کے مہلک اثرات سے محفوظ فرمائے، چنانچہ فرماتے ہیں:

فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا — اس طرف ہے کید سخت اور تیرا بچنا
صبح وشام صدق دل سے کر دعا کہ رَبَّنَا — لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

یونانی تہذیب رقص وسرود کی دلدادہ، بت پرستی کی خوگر اور خواہشات نفسانی کی تکمیل کا سامان فراہم کرتی ہے، اسی وجہ سے فلاسفہ بھی آزادئ کامل اور آوارگی کی تعلیم دیتے ہیں اور مذہب کی قید سے اپنے کو اور دوسروں کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں، لسان العصر ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

انسان چاہے جو بات اچھی چاہے
بدیوں سے محترز ہونے کی چاہے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب
جس کا مطلب ہے کرو وہ جو جی چاہے

سائنس داں ارض وسماء اور اشجار واحجار کے مناظر دکھا کر عقول انسانی کو ذات باری کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں۔ اسلام بھی ذات وصفات کے ضروری مسائل بتا کر خاموش ہو جاتا ہے اور آگے نہیں بڑھتا مگر کم بخت فلسفی جب ذات وصفات کی بحث میں اترتا ہے تو تعظیم وتکریم کو بالائے طاق رکھ دیتا ہے اور ذات وصفات کا ایسا تحلیل وتجزیہ کرتا ہے کہ خدا کی پناہ مانگنی پڑتی ہے اور الامان والحفیظ کہنا پڑتا ہے، اکبر اسے ڈانٹتے ہوئے فرماتے ہیں:

جلوۂ ارض وسما دکھلا کے ہے نیچر بھی چپ
لَآ اِلٰہ اور قُلْ ھُوَ اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چپ
بحث اس کی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی
ایسے ایسے چپ ہیں یہ ہوتا نہیں اس پر بھی چپ

فلسفی کے نزدیک دین ومذہب کوئی چیز نہیں، وہ ایمان واسلام کچھ نہیں جانتا، اگر وہ اس سے رخصت ہو جائے تو اسے کوئی پروا نہیں ہوتی، مگر اکبر فرماتے ہیں ؎

فلسفی کہتا ہے گر مذہب گیا پروا نہیں
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا

عشق الٰہی جو تخلیق کائنات کا مقصود ہے اس کی مستی اور گرمی حب خداوندی سے آئے گی، منطق اس راہ میں بھی کار آمد نہیں ہے اکبر فرماتے ہیں:

گرمیٔ دل جو ہے منظور تو منطق پہ نہ جا
عشق ہے آگ لگانے کے لئے جانوں میں

منطقی لوگ ہر انسان کو مدرک کہتے ہیں خواہ مومن ہو یا کافر حالانکہ کافر کو قرآن صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (بہرے گونگے اندھے غیر عاقل) کہتا ہے، ظاہر ہے کہ کافر کیونکر مدرک ہو سکتا ہے جب کہ حق تعالیٰ شانہٗ کو بھی اس کا اندھا گونگا بہرا ہونا تسلیم ہے اسی لئے لسان العصر کو بھی منطقیوں کے اس طرز و طریقہ پر اعتراض ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

خیال آخرت کا حس نہیں جس کی طبیعت میں
اسے کیوں منطقی دنیا میں کہتے ہیں یہ مدرک ہے

ذات و صفات اور ماورائے ہستی کی دنیا انسانی دسترس سے بالاتر ہے، وہ بجز نبوت و رسالت کے کسی اور طریقہ سے جانی نہیں جا سکتی مگر کم بخت منطق اس میں بھی موشگافیاں کرتی اور پیچ و تاب کھاتی ہے، اکبر الہ آبادی اسے ڈانٹ کر فرماتے ہیں:

خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں یہ تگاپو ہے
جہاں عشوے ہیں فطرت کے فقط اور عالم ہُو ہے

منطق اپنے فن میں بھی کامل نہیں، وہ اپنے میدان میں بھی شکست کھا جاتی ہے اس لئے اس سے کام لینے والے لوگ بسا اوقات شرمندہ ہو جاتے اور پشیمان ہو بیٹھتے ہیں، چنانچہ لسان العصر کہتے ہیں:

مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث
منطق شہید ہو گئی میدانِ جنگ میں

فلسفہ کہتا ہے کہ مرنے کے بعد کچھ نہیں ہوتا، آدمی فنا ہو جاتا اور اس کی حقیقت معدوم ہو جاتی ہے مگر اکبر الہ آبادی مرحوم سے اس کا جواب سنئے، نہایت شیریں جواب دیتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے:

بعد مردن کچھ نہیں یہ فلسفہ مردود ہے
قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہے اور موجود ہے

فلاسفہ تجربات کے دلدادہ ہوتے اور اس میں اپنی عمریں کھپا دیتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ تجربہ کا کوئی کنارہ نہیں، آج ہم تجربہ سے کسی شئی کو مفید قرار دیتے ہیں مگر کل کو وہ شئی تجربہ ہی سے مضر ثابت ہو جاتی ہے تو تجربہ کو حرفِ آخر کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ حرفِ آخر اللہ اور اس کے رسول کا قول ہے۔ اکبر مرحوم فرماتے ہیں:

فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت
مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں
کہہ دیا میں نے ہوا تجربہ مجھ کو تو یہی
تجربہ ہو نہیں چکتا ہے کہ مر جاتے ہیں

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یعنی سن لو کہ اللہ کی یاد سے ہی دلوں کو اطمینان ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ سکون و اطمینان اور راحت قلبی خدا کی یاد ہی سے حاصل ہوتی ہے، دولت و طاقت اور منطق و فلسفہ اس راہ میں بھی بے سود ہیں۔ اکبر الہ آبادی اسی حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں بیان فرماتے ہیں:

نہ اس میں دخل دولت کو نہ منطق کو نہ طاقت کو
دلی حالت خدا ہی کی عنایت سے سنبھلتی ہے

فلسفہ اتار چڑھاؤ اور حالات کے زیر و بم سے چکر کھاتا رہتا ہے کوئی واقعہ اس کے اصول سے ٹکرا گیا تو وہ دائیں بائیں کرنے لگے گا۔ کوئی حادثہ اس کے ضوابط سے دوچار ہو جائے تو وہ الٹے پاؤں بھاگنے لگے گا لیکن خدا اور رسول نے جو کچھ فرمایا وہ اٹل اور یقینی ہے، اس میں شک و شبہ کا مطلق دخل نہیں اور وہ ثابت اور قوی ہے۔ اس میں تبدیلی کا امکان ہی نہیں۔ لسان العصر اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

صدیوں فلاسفی کی چُناں اور چُنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

معقولات حقیقی علوم نہیں، وہ چند فرضی چیزوں کا نام ہے اور کچھ نہیں، اصل علوم علوم دینیہ ہیں ان کو سیکھنا اور سکھانا فرض ہے، طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ (علم دین حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے) کا یہی تقاضا ہے، اس لئے معقولات کا اشتغال کرنے سے طلب علم دین کے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہو سکتا، اسی لئے لسان العصر خود کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:

اِس طرف تو نے ہسٹری رٹ لی
اُس طرف جا کے فلسفہ پھانکا
لیکن اکبرؔ خیالِ عقبیٰ سے
نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

منطق تیز رفتار اور دماغی اُپج والا فن ہے۔ وہ کبر و غرور اور فخر و مباہات کا عادی ہے مگر وقت اور حالات اس کے جذبات کو ٹھیک کر دیتے ہیں اور اس کے ذہن و دماغ کو صحیح پٹری پر لے آتے ہیں، اکبرؔ فرماتے ہیں:

غرور توڑ کے منطق کو سست کر دے گا
زمانہ آپ ہی اس کو درست کر دے گا

لاسفہ کا سب سے عمدہ کارنامہ بحث و مباحثہ اور نزاع و جدال ہے، وہ کسی بحث میں صبح و شام کی پرواہ نہیں کرتے، اس کے باوجود ان کے مباحثات و مناقشات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، ان کا مسئلہ ہر حال میں ناتمام اور ناقص ہی رہتا ہے۔ ان کے تحلیل و تجزیہ سے کوئی فائدہ نہیں نکلتا:

اک بحث میں الجھ کر دنیا کا کام چھوڑا
چھوڑی سحر نہ اس نے ہنگام [illegible] چھوڑا
ہر فلسفی نے لیکن عمر اپنی ختم کر دی
جو بحث اٹھائی اس کو بس ناتمام چھوڑا

منطق بکواسوں اور تراش خراش والی باتوں میں آدمی کو منہمک کرتی ہے، اغلاق پسندی اور ولیدہ بیانی اس کا طغرۂ امتیاز ہے، دل کو وہ خالق کائنات کی طرف مائل نہیں کرتی لا یعنی بکواسوں اور مغلطات کی طرف اس کا رُخ موڑ دیتی ہے، جو چیز خالق کائنات سے غافل اور اس کی یاد سے مانع ہو وہ یقیناً قابل استعاذہ ہے، اسی لئے اکبر الہ آبادی اس سے پناہ مانگتے ہیں اور فرماتے ہیں:

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبر
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

منطق اور معشوقہ کی ادائیں دونوں آدمی کو لبھانے اور اس کو گمراہ کرنے والی ہیں، خاص طور سے وہ لوح اور سیدھا شخص تو جلد ہی اس کے فریب میں آجاتا ہے، اگر آدمی اپنے نفس کو قابو میں رکھے تو عجب نہیں کہ اس کے دام بلا میں گرفتار ہو جائے، اسی لئے اکبر الہ آبادی مرحوم ان کے فریب و مکر کی قوت اور انسان کی عاجزی و بے بسی کو کھلے لفظوں میں بیان فرماتے ہیں:

شیخ کی منطق ہو یا چشم فسوں ساز بتاں
سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے

فلسفہ گمراہی اور فسق سکھاتا ہے خواہ فسق عملی ہو یا فسق اعتقادی، وہ ایسا گھوڑا ہے جس کے منہ میں لگام نہیں، کبھی اس کے کھیت میں منہ مار دے گا کبھی اس کے کھیت میں، کبھی سست سے سست چلے گا تو کبھی تیز سے تیز تر، غرض کہ اعتدال سے وہ مطلق خالی ہے، نہ اس کی سیرت و کردار میں توازن نہ اس کی رفتار و گفتار میں تطابق، اکبر الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ اس کی بے اعتدالیوں اور بے جا حرکتوں سے تنگ آکر فرماتے ہیں :

چلا ہے فلسفہ لے کر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپ بے لگام سے ہم

قرآن و حدیث خدا اور رسول کا کلام ہے اور فلسفہ شیطان کا کلام، اس لئے ہر شخص کو اپنا دل کتاب و سنت میں لگانا چاہیئے نہ کہ فلسفہ میں، لسان العصر کا آخری قطعہ ملاحظہ فرمائیں:

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطان نے فلسفہ میں ہمیں الجھایا ہے
قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبر
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

(باقی آیندہ)

تبصرے

نقد قاطع برہان

مصنف : ڈاکٹر نذیر احمد

ناشر: غالب انسٹی ٹیوٹ نئی دہلی

سائز : ۱۸ × ۲۲/۸

کاغذ بہت عمدہ ، طباعت آفسیٹ

ضخامت ۴۲۲ صفحات - قیمت : ۶۰ روپیہ

ملنے کا پتہ : غالب انسٹی ٹیوٹ - ایوان غالب مارگ ، نئی دہلی

زیر نظر کتاب نقد قاطع برہان ، انیسویں صدی کے اس سب سے بڑے ادبی تنازعے بلکہ مجادلے کی یاد تازہ کرتی ہے، جو آج کے اردو کے سب سے بڑے شاعر اور اس زمانے کے فارسی زبان کے فاضل غالب اور محمد حسین تبریزی کے درمیان چھڑ گیا تھا۔ اور اس کا سبب محمد حسین تبریزی کی فارسی فرہنگ برہان قاطع پر مرزا غالب کے وہ اعتراضات بنے تھے جو قاطع برہان کے نام سے شائع ہوئے۔ اور ان کی اشاعت کے بعد غالب کے خلاف اعتراضات کا وہ شور اٹھا کہ ان کی آخری زندگی ، اسی تنازعہ میں اپنی فتح کے سامان فراہم کرنے میں گذری۔ ان معرکوں کی روداد پڑھ کر یہ تاثر ہوتا ہے کہ اس وقت کے ماہرین لسانیات کی اکثریت غالب کے بجائے برہان قاطع کے مصنف محمد حسین تبریزی کے ساتھ تھی، جنھیں

غالب نے ہندی الاصل اور نومسلم تک قرار دیدیا تھا۔

بہرحال اب جبکہ نشیب و فراز کے چکر میں آکر نہ صرف فارسی زبان کا چلن ہندوستان سے ختم ہوگیا بلکہ اس کا ذوق رکھنے والے ماہرین لسانیات کی تعداد بھی کم سے کم ہوتی چلی جارہی ہے، ڈاکٹر نذیر احمد نے غالب کی کتاب قاطع برہان کی غلطیوں اور غالب کے تسامحات کی نقد و جرح کا بیڑا اٹھایا اور حق یہ ہے کہ نکتہ رسی اور نکتہ دانی کا حق ادا کردیا ہے۔

جہاں تک غالب کی فارسی دانی اور ان کی رائے کی قطعیت و افادیت کا سوال ہے، اس کا تحلیل و تجزیہ اس سے پہلے مشہور محقق ڈاکٹر عبدالودود کے قلم سے نکل چکا ہے جنھوں نے غالب کے مبینہ استاد عبدالصمد کی شخصیت کو بھی فرضی ثابت کر دیا تھا۔ اب ڈاکٹر نذیر احمد کے پختہ قلم اور فارسی کے گہرے مطالعہ اور بلند شعور نے غالب کے اعتراضات کو تحقیقات کی کسوٹی پر رکھ کر، اس سارے مباحثے اور مجادلے کو نئی جہتوں کی طرف حرکت دے کر فیصلہ کن منزل تک پہونچا دیا ہے، اور قابل تعریف بات یہ ہے کہ کہیں بھی محمد حسین تبریزی کی حمایت کا تاثر قائم ہونے نہیں دیا ہے۔

کتاب نقد قاطع برہان کا پایہ علمی اور تحقیقی اعتبار سے اتنا بلند ہے کہ ہم اس کے مصنف ڈاکٹر نذیر احمد کے ساتھ اس کے ناشر غالب انسٹی ٹیوٹ کو بھی قابل مبارکباد سمجھتے ہیں جس نے اس علمی اور تحقیقی کارنامہ کی اشاعت کا کام انجام دیا۔

(ج - م)

کلیاتِ ذوق

مرتب : ڈاکٹر تنویر احمد علوی

ناشر: ترقی اردو بورڈ نئی دہلی

سائز: $\frac{۲۰ \times ۳۶}{۸}$